پرایا خط

ثمینہ پروین

بیدل صاحب برسوں سے عطر فروشی کا چھوٹا سا کاربار کر رہے تھے۔ ان کے عطر کے اشتہار چھوٹے چھوٹے اخباروں میں شائع ہوتے تھے۔ ان کی اچھی اور مسلسل آمدنی سے اندازہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کے اشتہار پڑھتے بھی تھے اور ان کے دعووں پر یقین بھی کرتے تھے۔ ان کا زیادہ تر کاربار ملک کے دوسرے شہروں میں ڈاک کے ذریعے سے ہوتا تھا۔ مال ڈاک سے بھیجتے تھے اور رقم بھی ڈاک سے وصول کرتے تھے۔ ان کے کام کی جگہ ایک چھوٹے سے ہال اور معمولی فرنیچر اور سازوسامان پر مشتمل تھی۔ ایک کونے میں بنا ہوا لکڑی کا ایک کیبن ان کا دفتر تھا۔ کیبن میں لگے شیشے کی دیوار سے وہ کارکنوں پر نظر بھی

رکھتے تھے۔ وہ اپنے اس کام سے بہت مطمئن تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مال تیار کرنے پر لاگت کم آتی تھی اور لاگت کم ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے ملازمین کو اُجرت بہت کم دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خوش حال مزدور دل لگا کر کام نہیں کرتا، کام چور ہو جاتا ہے۔ اپنے اس اُصول پر عمل کرنے کے لیے وہ ہمیشہ بوڑھے لوگوں کو ملازم رکھا کرتے تھے، کیوں کہ یہ لوگ اکثر اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ہی کام کی تلاش میں رہتے ہیں۔

جب بھی موقع ملتا، بیدل صاحب ملازمین کو تنبیہ بھی ضرور کرتے۔ مثلاً ملازمین سے ان کا کہنا تھا کہ تم لوگ جتنا وقت یہاں گزارتے ہو، اس کے ایک ایک لمحے پر میرا حق ہے۔ یہاں کا ٹیلے فون صرف میرے لیے ہے۔ کسی کا فون یا خط یہاں نہیں آنا چاہیے۔ اگر یہاں کسی کا خط آیا تو بھی میں ہی کھولوں گا۔

بیدل صاحب کے سر کے بال بہت پہلے اُڑ چکے تھے۔ چند بال جو باقی تھے، ان

کا رنگ اُڑ گیا تھا اور وہ انھیں احتیاط سے سر پر چپکائے رہتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا بھی تھا، جو ملک سے باہر پڑھنے گیا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ان کی بیوی بھی دفتر آ جاتی تھیں۔ بیدل صاحب کا رویہ اپنی بیوی کے ساتھ بھی ویسا ہی تھا، جیسا ملازمین کے ساتھ تھا۔ جب وہ آتیں تو دفتر نما کیبن سے ان دونوں کی تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، کیوں کہ بیدل صاحب گھریلو اخراجات کے لیے انھیں بہت کم رقم دیتے تھے۔ وہ باہر نکلتیں تو پریشان سی نظر آتیں۔ ملازمین کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرتیں اور کہتیں:

''بیدل صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ اس بات کا خیال رکھیے کہ انھیں غصہ نہ آئے، ہارٹ اٹیک کے بعد ان کا دل بہت کم زور ہو گیا ہے۔''

ان کی بیوی کو شاید اندازہ نہیں تھا کہ تینوں میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ بیدل صاحب کو کوئی صدمہ پہنچا سکیں۔ وہ اپنے ملازمین کے درمیان بہت محفوظ تھے۔ بیدل صاحب کے صرف تین ملازمین تھے اور تینوں بوڑھے تھے۔ غیاث محکمۂ ڈاک کا ریٹائرڈ ملازم تھا، جس کی کمر جھک جانے کی وجہ سے اس کا قد کم معلوم ہوتا تھا۔ بیٹے کی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے مجبوراً اسے کام کرنا پڑتا تھا۔ اشتیاق سانولے رنگ کا آدمی تھا، جو پتنگ بنانے کا ماہر تھا، لیکن پتنگ بازی پر پابندی کے بعد اس کا کام ٹھپ ہو گیا تھا۔ زبیدہ اپنے ایک پوتے کے ساتھ ایک کمرے کے مکان میں رہتی تھی۔ اس کا بیٹا اور بہو ایک حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ ذہنی اُلجھن کی وجہ سے کام کرتے کرتے اکثر زبیدہ کا سر دائیں بائیں ہلنے لگتا تھا۔ ان تینوں کے پاس موبائل فون بھی نہیں تھے۔

سال میں عید، بقرعید دو ایسے موقعے ہوتے تھے، جب کام کی زیادتی ہوتی تھی۔ ان دنوں انھیں ایک اور کارکن کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ انھوں نے ملازمت فراہم کرنے والی ایجنسی کو خاص تاکید کی تھی کہ ان کے لیے ایسا بوڑھا ملازم مہیا کرے جو عارضی کام بھی

دل لگا کر کر سکے۔ بیدل صاحب کو خوب تجربہ تھا کہ بوڑھوں کو کہیں ملازمت نہیں ملتی، وہ عارضی ملازمت ہی کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے بوڑھے افراد بے حد ڈرپوک اور محنتی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ان سے ملازم کے انتخاب میں غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ مثلاً ایک بار انھوں نے جو اضافی ملازم رکھا تھا، وہ بہت منھ پھٹ تھا۔ بیدل صاحب کے ظلم پر انھیں سب کے سامنے بُرا بھلا کہہ دیتا تھا۔ ایک بار نئے ملازم ریاض نے شاید غیاث کے سامنے یہ بات کہی تھی کہ بیدل صاحب ہمیں اذیت پہنچا کر پیسے کماتے ہیں۔ دوسروں کو ذلیل کر کے انھیں مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ایک بار ٹیلے فون کی گھنٹی بجی تو بیدل صاحب نے فون اٹھایا: ''کون ہے......؟ کیا بات ہے......؟ یہاں ریاض نام کا کوئی نہیں ہے، رانگ نمبر۔''

ریاض کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بیدل صاحب کو خوب کھری کھری سنائیں۔ انھوں نے ریاض کو باغی اور شر پسند قرار دے کر فوراً نوکری سے نکال دیا۔ اِدھر ریاض کو فخر تھا کہ اس نے پرانے ملازمین کا بدلہ لے لیا۔

ریاض کی جگہ ایک بوڑھی خاتون بتول کو رکھا گیا۔ ایک غریب بستی میں کسی نے ایک کمرا رہنے کے لیے دے دیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جو کسی دوسرے شہر میں ایک سائنس لیبارٹری میں چپڑاسی تھا۔

ایک دن بتول نے زبیدہ سے کہا: ''میرا بیٹا بہت دنوں بعد آ رہا ہے، لیکن آنے سے پہلے وہ مجھے خط لکھے گا۔ میں نے اسے یہاں کا پتا دے دیا ہے، تاکہ خط جلد مل جائے۔ اسے میرے نئے ٹھکانے کا پتا نہیں معلوم ہے، وہ پرانے محلے میں بھٹکتا پھرے گا۔''

یہ بات سن کر تینوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں پھر بتول کی طرف دیکھا۔ غیاث کھاتے مکمل کر رہا تھا، اس نے اپنا قلم ایک طرف

رکھا اور سر اُٹھا کر کہا: ''بیدل صاحب کو......'' پھر اس نے اپنی آواز دھیمی کر لی: ''یہ پسند نہیں ہے کہ ان کے ملازم اپنے خطوط دفتر کے پتے پر منگوائیں۔''

اشتیاق نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے دہشت زدہ نظروں سے بیدل صاحب کے کیبن کی طرف دیکھا۔

زبیدہ نے کہا: ''تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پھر اس کا سر آہستہ آہستہ ہلنے لگا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ اس وقت بہت پریشان ہے۔ بیدل صاحب نے اسے کئی بار ٹوکا تھا کہ اپنا علاج کسی مستند حکیم سے کرائے، میں یہاں بیمار لوگوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

زبیدہ کی بات سن کر بتول نے مسکرانے کی کوشش کی: ''اگر میرا ایک خط یہاں آ گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا، آیندہ میں خیال رکھوں گی۔''

اس دن کے بعد سے بتول نے آنے والی ڈاک پر نظر رکھنی شروع کر دی۔ اس کام میں بتول کی دل چسپی کو بیدل صاحب نے فوراً محسوس کر لیا۔ انھوں نے بتول کو ڈاک کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پکڑ لیا۔ غیاث ڈاک میں سے مختلف شہروں کے لفافے الگ کر رہا تھا۔ بتول بھی ڈاک پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ اِدھر بیدل صاحب بھی اپنے کیبن سے دیکھ رہے تھے کہ بتول اپنا کام چھوڑ کر غیاث کے پاس کھڑی ہے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر آئے اور بے مروتی سے بولے: ''بتول صاحبہ! آپ ڈاک کی بالکل فکر نہ کریں۔ اپنے کام سے کام رکھیں۔ ڈاک کی چھانٹی غیاث کا کام ہے۔ میں آپ کو دوسروں کے کام کی نگرانی کی تنخواہ نہیں دیتا۔''

بتول نے ڈرتے ڈرتے کہا: ''سر! مجھے اپنے ایک خط کا انتظار ہے۔''

''کسی کا ذاتی خط یہاں نہیں آ سکتا، یہاں آنے والا ہر خط میرا ہوتا ہے۔''

اس واقعے کے بعد بیدل صاحب نے ڈاکیے کو ہدایت کر دی کہ وہ ساری ڈاک صرف میرے ہاتھ میں دیا کرے۔

اتفاق سے دوسری صبح بتول کے بیٹے کا خط آ گیا۔ بیدل صاحب نے بتول کا نام پڑھتے ہی اسے ایک طرف پھینک دیا۔ بتول انتظار ہی کرتی رہی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اگر اسے اپنے ساتھی ملازمین کی ہمدردی حاصل نہ ہوتی اور وہ تسلی نہ دیتے تو بتول نوکری چھوڑ کر چلی جاتی۔

دوسرے دن بتول آئی تو اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں، جیسے وہ رات بھر جاگتی رہی ہو۔ عطر کی شیشیاں ڈبوں میں ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ دوپہر کو کھانے کے وقفے میں وہ ہمت کر کے باہر نکلی اور پبلک کال آفس سے بیٹے کے دفتر فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی روانہ ہوا ہے۔ وہ مایوس انداز میں واپس آ گئی۔ بیدل صاحب کو کیبن سے باہر نکلتے دیکھ کر اس نے انھیں متوجہ کرنے کی کوشش کی: ''بیدل صاحب!''

''ارجنٹ سپلائی والے آرڈر کس مرحلے میں ہیں؟'' بیدل صاحب نے بتول کو نظر انداز کر کے اشتیاق سے پوچھا اور جواب پا کر واپس اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے بتول بھی کیبن میں داخل ہو گئی۔

بیدل صاحب نے بتول کو گھورا: ''کیا میں نے تمھیں بلایا تھا؟''

بتول نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہا: ''میرے بیٹے کا ایک خط آنا تھا۔ ممکن ہے کاغذوں میں اِدھر اُدھر پڑا ہو، تلاش کر لیجیے، مہربانی ہوگی۔''

بیدل صاحب نے پوری قوت سے میز پر گھونسا مارا۔ غیاث اپنی کرسی پر اُچھل گیا۔ اشتیاق کے ہاتھ سے شیشی چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ زبیدہ کا سر زور زور سے ہلنے لگا۔ بیدل صاحب زور سے چیخے: ''کوئی خط نہیں آیا تمھارا، یہ میرا دفتر ہے، کوئی ڈاک خانہ

نہیں ہے۔ یہاں صرف کاروباری خطوط آتے ہیں۔ جاؤ اپنا کام کرو اور اگر کام نہیں کرنا چاہتیں تو اپنا حساب کرلو۔''

بتول کیبن سے نکلی تو بُری طرح لرز رہی تھی۔ شرمندگی کے مارے اس نے کسی سے بات نہیں کی اور خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

سہ پہر کے وقت بیدل صاحب ایک کھلا ہوا لفافہ ہاتھ میں لہراتے ہوئے باہر نکلے: ''کیا تم لوگوں کو کسی خط کی تلاش تھی! غالباً یہی وہ خط ہے، کیوں کہ اس میں کاروباری بات کوئی نہیں ہے۔''

انھوں نے لفافہ بتول کی طرف اچھال دیا: ''آیندہ اس قسم کا کوئی خط مجھے نہیں ملنا چاہیے۔'' پھر وہ اپنے کیبن میں چلے گئے۔

تمام ملازم خاموش ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ آخر اشتیاق نے خاموشی توڑی: ''بیدل صاحب حد سے گزر چکے ہیں۔''

غیاث نے کہا: ''واقعی انھوں نے اپنے انسان ہونے کا حق خود اپنے ہاتھوں سے کھودیا ہے۔''

زبیدہ کا سر مسلسل ہل رہا تھا: ''ہم آخر کر کیا سکتے ہیں۔''

غیاث نے سرگوشی میں اشتیاق سے کچھ کہا۔ اشتیاق ہاں میں سر ہلاتا رہا، پھر وہ اُٹھ کر زبیدہ کی طرف جانے لگا۔

اگلے روز بیدل صاحب نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔ تینوں ملازم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ آج بتول نہیں آئی تھی۔ یہ منظر ان کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ وہ غصہ کرنا بھی بھول گئے، بولے: ''یہ کیا ہو رہا ہے!''

''بیدل صاحب!'' بوڑھے غیاث کی آواز کانپ رہی تھی: ''ہم ہڑتال پر ہیں۔''

اشتیاق کے حلق سے آواز نکلی: ''ہمارا مطالبہ ہے کہ ہماری شخصی آزادی کو کچلنا بند کیا جائے، انسانی جذبات کا احترام کیا جائے اور ہماری تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔''

بوڑھی زبیدہ نے بھی ہمت کی اور اپنا ہلتا ہوا سر اوپر اُٹھا کر کہا: ''جب تک ہمارا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاتا، ہم کام نہیں کریں گے۔''

اس کے جواب میں بیدل صاحب نے غصّے میں اپنے ملازموں کی شخصیت کے پرخچے اُڑا دیے۔ غیاث کو خوب بُرا بھلا کہا۔ اسے چھوٹے قد کی وجہ سے سرکس کا بونا قرار دیا۔ انھوں نے اشتیاق کے چلنے کی نقل اُتاری، جو ایک پیر گھسیٹ کر چلتا تھا۔ زبیدہ کے ہلتے ہوئے سر کو دیکھ کر اسے مشورہ دیا کہ وہ کسی موسیقار کے پاس جائے، تا کہ وہ اس کے ہلتے ہوئے سر کی مناسبت سے موسیقی ترتیب دے سکے۔ غصے کی شدت سے ان کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ انھوں نے اُنگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا، پھر ان کا ہاتھ نیچے گر گیا: ''میں تم سب کو ابھی اور اسی وقت ملازمت سے نکال سکتا ہوں۔''

اشتیاق نے کہا: ''بے شک، لیکن آپ ایسا کریں گے نہیں سر! کیوں کہ یہ مہینا کاربار کے لیے انتہائی اہم اور منافع بخش ہے۔''

غیاث نے بھی ایک نکتہ بیان کیا: ''اگر آپ نے ہمیں اس وقت نکال دیا تو ہماری جگہ پُر کرنے کے لیے آپ کو بہت مشکل پیش آئے گی۔ نئے ملازمین کام سے ناواقف اور ناتجربے کار ہوں گے، انھیں تربیت دینے ہی میں آپ کا کاربار چوپٹ ہو جائے گا۔''

بیدل صاحب غصے میں دانت پیستے ہوئے بولے: ''میں تم لوگوں کو دس منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ اپنی حماقت پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے ہڑتال ختم کر کے کام شروع کر دو۔'' ان کی آواز غصے کے مارے پھٹی جا رہی تھی۔

عین اسی وقت ڈاکیا ڈاک لے کر آ گیا۔ بیدل صاحب نے ڈاک جھپٹ کر

پکڑی اور پیر پٹختے ہوئے اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئے۔ دروازے پر رک کر انھوں نے ملازمین کی طرف دیکھا اور کہا: ''صرف دس منٹ۔'' پھر زور سے دروازہ بند کرلیا۔

ابھی دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ بیدل صاحب کے کیبن سے ایسی آواز آئی، جیسے کوئی چھوٹا سا پٹاخا پھٹ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی دھوئیں کا ایک مرغولا کیبن کے اندر سے بلند ہوتا ہوا چھت تک پہنچ گیا۔ بیدل صاحب کیبن میں بے ہوش پڑے تھے۔ تینوں کارکن ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ زبیدہ کا سر اور تیزی سے ہلنے لگا۔

☆......☆......☆

بیدل صاحب تین مہینے تک اسپتال میں رہے۔ اسپتال سے آنے کے بعد بالکل بدل گئے ہیں۔ وہ دھیمے لہجے میں اور بہت کم بات کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے انھیں مزید کام کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کاروبار ان کی بیگم نے سنبھال لیا ہے، جو پہلے سے بھی بہتر انداز سے چل رہا ہے۔ ان کی بیگم روز صبح آکر کام کا جائزہ لیتی ہیں۔ اہم دفتری کاغذات پر دستخط کرکے اور ضروری ہدایات دے کر چلی جاتی ہیں۔ وہ بہت عمدہ مالکن ہیں، سب ان سے خوش ہیں اور ان کی توقع سے بڑھ کر کام کرتے ہیں۔

دراصل بتول کے بیٹے نے ماں سے ساری باتیں سن کر بیدل صاحب کو پریشان کرنے کے لیے زبیدہ کے نام ایک لفافہ بھیجا تھا۔ وہ ایک ایسا مخصوص لفافہ تھا، جو ذرا سا کھلتے ہی پٹاخے جیسی آواز سے پھٹ جاتا تھا۔ وہ لفافہ کسی کو زخمی نہیں کرسکتا تھا، بلکہ اس سے ذرا سی خراش تک نہیں آسکتی تھی۔ یہ کام بتول کے لڑکے نے اس لیبارٹری میں سیکھا تھا، جہاں وہ ملازم تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ بیدل صاحب اس وقت شدید غصے کی حالت میں تھے، اس لیے ان کا کم زور دل ڈوبتا چلا گیا اور وہ اسی وقت بے ہوش ہو گئے تھے۔ انھیں زبیدہ کے نام آنے والا خط نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ ☆